144

فقہاء نے مستشرقین کا زمانہ نہیں پایا تھا!

المورد کے اصحاب خلافت کے موضوع پر فقہاء کو اپنا ہم خیال سمجھ بیٹھے۔ کہتے ہیں:

جن ملکوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ، وہ اپنی ایک ریاست ہائے متحدہ قائم کرلیں۔ یہ ہم میں سے ہر شخص کا خواب ہوسکتا ہے اور ہم اسکو شرمندہ تعبیر کرنے کی جدوجہد بھی کرسکتے ہیں، لیکن اس خیال کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ یہ اسلامی شریعت کا کوئی حکم ہے جس کی خلاف ورزی سے مسلمان گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہرگز نہیں، نہ خلافت کوئی دینی اصطلاح ہے اور نہ عالمی سطح پر اس کا قیام اسلام کا کوئی حکم ہے۔ پہلی صدی ہجری کے بعد ہی ، جب مسلمانوں کے جلیل القدر فقہا ان کے درمیان موجود تھے، ان کی دو سلطنتیں ، دولت عباسیہ بغداد اور دولت امویہ اندلس کے نام پر قائم ہوچکی تھیں اور کئی صدیوں تک قائم رہیں، مگر ان میں سے کسی نے اسے اسلامی شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی قرار نہیں دیا، اس لئے کہ اس معاملے میں سرے سے کوئی حکم قرآن و حدیث میں موجود ہی نہیں ہے۔

(’’اسلام اور ریاست:: ایک جوابی بیانیہ‘‘۔ روزنامہ جنگ 22 جنوری 2015۔<http://goo.gl/0yWPD0> )

خط کشیدہ الفاظ فقہائے اسلام کی بابت ایک دعوىٰ ہے۔ کیا واقعتاً فقہاء میں سے ’’کسی نے‘‘ اسے اسلامی شریعت کے ’’کسی حکم‘‘ کی خلاف ورزی قرار نہیں دیا؟ معلوم ہوتا ہے ’’مسلم وحدت‘‘ کے مسئلہ پر فقہاء کی آراء مضمون نگار کی نظر سے نہیں گزریں۔ ورنہ زیادہ سے زیادہ وہ اپنی اِس بات کو فقہاء کے ہاں پائی جانے والی ایک ’’شاذ رائے‘‘ کہتے، جیساکہ الماوردی﷫ نے اس کے ’’شاذ رائے‘‘ ہونے کی باقاعدہ صراحت فرمائی ہے (الماوردی کی عبارت آگے آ رہی ہے)۔ البتہ یہ بیان دے ڈالنا کہ ’فقہاء میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا‘ کتبِ فقہ پر مطلع طبقے کے یہاں تعجب سے سنا جا ئے گا۔ یہاں ہم فقہاء کے کچھ بیانات آپ کے سامنے رکھیں گے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا، فقہاء کی بابت کیا گیا یہ دعویٰ کس قدر غیرحقیقی ہے۔

تو پھر آئیے دیکھتے ہیں، مؤلفینِ فقہاء ’’اسلامی قلمرو کے انقسام‘‘ پر اپنے قبیلے کے مواقف کیونکر نقل کرتے ہیں۔ واضح رہے، یہاں ہم ان فقہاء کے اقوال دیں گے جو اس ’’انقسامِ خلافت‘‘ ہی کے ادوار میں پائے گئے۔ یعنی یہ معاملہ بطورِ واقعہ بھی ان کی نظر میں ہی تھا اور وہ کسی سہانے دور میں بیٹھے ہوئے یہ باتیں نہیں کر رہے تھے۔ دیکھئے یہ فقہاء اِس موضوع پر کیا کہتے ہیں:

سیاسۃ شرعیہ پر قلم اٹھانے والا ایک بڑا نام الماوردی﷫ (چوتھی صدی ہجری کے فقیہ؛ اپنے وقت کے قاضی القضاۃ) لکھتے ہیں:

|  |  |
| --- | --- |
| وذهب الجمهور إلى أن إقامة إمامين في عصر واحد لا يجوز شرعا لما روي عن النبيﷺ أنه قال : إذا بويع أميران فاقتلوا أحدهما (أدب الدنيا والدين ص136)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/YQKAEQ> | جمہور کا مذہب رہا ہے: ایک زمانے میں دو اماموں کا مقرر ہونا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ نبیﷺ سے مروی ہے: ’’جب دو امیروں کی بیعت ہو جائے تو ان میں سے ایک کو قتل کردو‘‘۔ |

ماوردی کی مندرجہ بالا نقل غور فرما لیجئے: جمہور کا مذہب۔ اس کے مخالف قول، ماوردی کے نزدیک، ’’غیرجمہور‘‘ نہیں بلکہ ’’شاذ قول‘‘ ہے۔

ماوردی﷫ امت میں ’’ایک وقت میں مسلمانوں کے دو ملک یا دو امیر‘‘ ہونے کے جواز کو ایک شاذ قول قرار دیتے، اور امت میں ایک ہی امارت کو ضروری ٹھہراتے ہوئے:

|  |  |
| --- | --- |
| وإذا عقدت الإمامة لإمامين في بلدين لم تنعقد إمامتهما، لأنه لا يجوز أن يكون للأمة إمامان في وقت واحد وإن شذ قوم فجوزوه (الأحكام السلطانية ص29)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/M3Tbt1> | اگر دو مختلف ملکوں میں دو امیروں کو امامت سونپی جائے تو ان دونوں کی امامت منعقد نہ ہوگی۔ کیونکہ ایک وقت میں امت کے دو امام جائز نہیں، اگرچہ بعض لوگوں لوگوں نے شذوذ کی راہ چلتے ہوئے اسے جائز کہا ہے۔ |

یہ جمہور فقہاء، جن کا الماوردی ودیگر مؤلفین کے بیان میں ذکر ہوا، اس قدر زیادہ ہیں کہ نووی﷫ (ساتویں صدی ہجری) اس کو ’’علماء کا متفقہ قول‘‘ ہی قرار دینے تک چلے جاتے ہیں۔ تاہم نوویؒ کی تقریر دینے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صحیحین کی وہ روایت نقل کر دی جائے جس کے تحت (شرح مسلم) میں نوویؒ فقہاء کا یہ اتفاق نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ خود یہ حدیث بھی اس باب میں معانی کا ایک سمندر ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبيﷺ، قال: کَانَتۡ بَنِو إسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمْ الْأَنْبِيَاءُ؛ كُلَّمَا َهَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ وَتَكْثُرُ. قاالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ، فَالْأَوَّلِ. وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ ؛ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا استرعاهمْ (متفق علیہ، واللفظ لمسلم <http://goo.gl/sYrcmm>)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا: ’’بنی اسرائیل کے معاملاتِ سیاست انبیاء چلاتے رہے، جیسے ہی کوئی نبی دنیا سے جاتا اس کا جانشین نبی ہوتا۔ اب یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ ہاں خلفاء ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کی: تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: جس کی بیعت پہلے ہوجائے اُسی کی بیعت نبھاتے چلے جانا۔ تم ان کو ان کا حق دیتے رہنا؛ کیونکہ اللہ نے جو کچھ ان کی رعیت میں دیا اُس کی بابت اُن سے وہ خود سوال کرنے والا ہے‘‘۔

حدیث بالا کی شرح میں نووی﷫ فرماتے ہیں:

|  |  |
| --- | --- |
| وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يُعْقَدَ لِخَلِيفَتَيْنِ فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ سَوَاءٌ اتَّسَعَتْ دَارُ الْإِسْلَامِ أَمْ لَا وَقَالَ إِمَامُ الْحَرَمَيْنِ فِي كِتَابِهِ الْإِرْشَادِ قَالَ أصحابنا لا يجوز عقدها لشخصين قَالَ وَعِنْدِي أَنَّهُ لَا يَجُوزُ عَقْدُهَا لِاثْنَيْنِ فِي صُقْعٍ وَاحِدٍ وَهَذَا مُجْمَعٌ عَلَيْهِ قَالَ فَإِنْ بَعُدَ مَا بَيْنَ الْإِمَامَيْنِ وَتَخَلَّلَتْ بَيْنَهُمَا شُسُوعٌ فَلِلِاحْتِمَالِ فِيهِ مَجَالٌ قَالَ وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْقَوَاطِعِ وَحَكَى الْمَازِرِيُّ هَذَا الْقَوْلَ عَنْ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنْ أَهْلِ الْأَصْلِ وَأَرَادَ بِهِ إِمَامَ الْحَرَمَيْنِ وَهُوَ قَوْلٌ فَاسِدٌ مُخَالِفٌ لِمَا عَلَيْهِ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ وَلِظَوَاهِرِ إِطْلَاقِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ (شرح مسلم، حدیث رقم 1442)  حوالہ کا ویب لنک: <http://goo.gl/nNJSrc> | علماء کا اتفاق ہے، ایک زمانے میں دو خلیفے نہیں ہو سکتے خواہ دار الاسلام کا رقبہ بہت وسیع ہو یا نہ ہو۔ امام الحرمین (جوینی) نے اپنی کتاب الارشاد میں ذکر کیا کہ ہمارے (شافعیہ) کے اصحاب کا یہی مذہب ہے کہ امارت (بیک وقت) دو شخصوں کےلیے منعقد نہیں ہو سکتی۔ لیکن جوینی کا اپنا کہنا ہے کہ میرے نزدیک کسی ایک خطے میں دو آدمیوں کی امارت تو منعقد نہیں ہوسکتی اور اس پر تو اجماع ہے، البتہ اگر دو امیروں کے مابین مسافت بہت زیادہ ہو اور ان دونوں کے بیچ میں بہت سے علاقے پڑتے ہوں تو یہاں احتمالات کی گنجائش ہے اور (اس صورت میں) یہ قطعیات میں نہیں آتا۔ مازری نے یہی قول کسی متاخر سے نقل کیا ہے۔ اس متاخر سے مازری کی مراد امام الحرمین (جوینی) ہی ہیں۔ مگر یہ قول فاسد ہے؛ سلف تا خلف جو مذہب رہا ہے یہ اس سے متصادم ہے۔ نیز یہ احادیث کے ظواہر سے متصادم ہے۔ واللہ اعلم |

ابن حزم﷫ کا دعوائے اجماع: جس کے ’’اجماع‘‘ ہونے سے آپ بےشک اتفاق نہ کریں، مگر اس سے آپ کو یہ ضرور اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس قول پر فقہاء کی کتنی بڑی تعداد ہے، جس کے متعلق ہمارے فاضل مضمون نگار کا خیال ہے ’فقہاء میں سے کسی نے اسے شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہی قرار نہیں دیا‘۔ ابن حزم:

|  |  |
| --- | --- |
| واتفقوا أنه لا يجوز أن يكون على المسلمين في وقت واحد في جميع الدنيا إمامان، لا متفقان ولا مفترقان، ولا في مكانين ولا في مكان واحد  (مراتب الإجماع، مؤلفہ ابن حزم ص 124)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/ljmDcY> | نیز اس پر اجماع ہوا ہے کہ: مسلمانوں پر ایک وقت میں پوری دنیا کے اندر دو امام ہونا ناجائز ہے؛ خواہ وہ امام اکٹھے ہوں یا متفرق۔ یہ نہ دو الگ الگ جگہوں میں جائز ہے اور نہ ایک جگہ میں۔ |

ابن حزمؒ (پانچویں صدی ہجری) کے مندرجہ بالا بیان پر ابن تیمیہ﷫ (ساتویں صدی ہجری) اتنا سا استدراک کرتے ہیں کہ اس سے اختلاف کرنے والے بعض اہل کلام ضرور ہیں۔ نیز (احکامِ ضرورت کے تحت) ہردو مملکت کے احکامات پر عملدرآمد ہوگا۔ البتہ جہاں تک ہردو فرماں روا کی حکومت کو ’’جائز‘‘ ماننے کا تعلق ہے تو اس کو غلط کہنے پر امت کا اتفاق ہے:

|  |  |
| --- | --- |
| النزاع في ذلك معروف بين المتكلمين في هذه المسألة كأهل الكلام والنظر، فمذهب الكرامية وغيرهم جواز ذلك، وأن عليًا كان إمامًا ومعاوية كان إمامًا، وأما أئمة الفقهاء فمذهبهم أن كلاً منهم ينفذ حكمه في أهل ولايته كما ينفذ حكم الإمام الواحد، وأما جواز العقد لهما فهذا لا يفعل مع اتفاق الأمة  (نقد مراتب الإجماع، مؤلفہ ابن تیمیہ ص 298)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/lROiOW> | اس پر اہل کلام وفلسفہ ایسے متکلمین اختلاف معروف ہے۔ کرامیہ وغیرہ فرقے اس کے جواز کے قائل ہیں، اور یہ کہ علیؓ بھی امام تھے اور معاویہؓ بھی امام تھے۔ البتہ جہاں تک ائمہ فقہاء (اہلسنت) کا تعلق ہے تو ان کا مذہب ہے کہ ہردو امیر کا حکم اپنی اپنی قلمرو میں اسی طرح نافذ ہوگا جس طرح ایک امام کا ہوتا ہے۔ **ہاں جہاں تک اس کو جائز کہنے کا تعلق ہے تو امت کا اتفاق ہے کہ دونوں کو بیک وقت امارت سونپنا صحیح نہیں**۔ |

**روئےزمین پر مسلمانوں کا ایک امیر ضروری** قرار دینے پر مذاہبِ اربعہ:

ساداتِ حنفیہ﷭:

|  |  |
| --- | --- |
| مَا افْتَرَقَ فِيهِ الْإِمَامَةُ الْعُظْمَى وَالْقَضَاءُ  يُشْتَرَطُ فِي الْإِمَامِ أَنْ يَكُونَ قُرَشِيًّا بِخِلَافِ الْقَاضِي، وَلَا يَجُوزُ تَعَدُّدُهُ فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ وَجَازَ تَعَدُّدُ الْقَاضِي، وَلَوْ فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ.  (الأشباہ والنظائر لابن نجیم ج1 ص 325)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/AdNKiy>  فَإِذَا اجْتَمَعَ عَدَدٌ مِنْ الْمَوْصُوفِينَ فَالْإِمَامُ مَنْ انْعَقَدَ لَهُ الْبَيْعَةُ مِنْ أَكْثَرِ الْخَلْقِ، وَالْمُخَالِفُ لِأَكْثَرِ الْخَلْقِ بَاغٍ يَجِبُ رَدُّهُ إلَى انْقِيَادِ الْمُحَقِّ  (غمز عيون البصائر، للحموی ج 4 ص 111)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/FXUkZa> | کن چیزوں میں امامتِ عظمیٰ قضاء سے مختلف ہے:  امام کا قریش سے ہونا شرط ہے برخلاف قاضی کے۔ نیز امام ایک زمانے میں متعدد ہونا جائز نہیں جبکہ قاضی متعدد ہونا جائز ہے، خواہ ایک ہی شہر میں کئی قاضی ہوں۔  اگر امام بننے کی صفات کے متعدد حاملین بیک وقت سامنے آئیں تو ان میں امام وہ ہوگا جسے اکثر مخلوق نے بیعت دی ہو۔ اکثر مخلوق کی بیعت (سے بننے والے امام) کے مقابلے پر امام بننے والا باغی ہوگا اور اس کو حق کی تابعداری پر واپس لانا واجب ہوگا۔ |

ساداتِ مالکیہ﷭:

|  |  |
| --- | --- |
| (تَنْبِيهٌ) أَشْعَرَ مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ مِنْ جَوَازِ تَعَدُّدِ الْقَاضِي بِمَنْعِ تَعَدُّدِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ وَهُوَ كَذَلِكَ وَلَوْ تَبَاعَدَتْ الْأَقْطَارُ جِدًّا لِإِمْكَانِ النِّيَابَةِ وَقِيلَ بِالْجَوَازِ إذَا كَانَ لَا يُمْكِنُ النِّيَابَةُ لِتَبَاعُدِ الْأَقْطَارِ (حاشية الدسوقي ج 4 ص 134)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/gsy8MG> | نوٹ: مصنف نے متن میں جو بیان کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ: قاضی کا متعدد ہونا جائز اور امام کا متعدد ہونا منع ہے۔ اور ہے بھی ایسا؛ اگرچہ خطے بہت بہت دور کیوں نہ ہوں کیونکہ (دور کے خطے میں) امام کی نیابت ہوسکتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اُس صورت میں جائز ہے جب خطوں کے مابین اتنا بُعد ہو کہ نیابت ممکن ہی نہ رہے۔ |

ساداتِ شافعیہ﷭:

|  |  |
| --- | --- |
| (وَلَا يَجُوزُ عَقْدُهَا لِإِمَامَيْنِ) فَأَكْثَرَ، وَلَوْ بِأَقَالِيمَ (وَلَوْ تَبَاعَدَتْ الْأَقَالِيمُ) لِمَا فِي ذَلِكَ مِنْ اخْتِلَافِ الرَّأْيِ، وَتَفَرُّقِ الشَّمْلِ (فَإِنْ عُقِدَتَا) أَيْ الْإِمَامَتَانِ لِاثْنَيْنِ (مَعًا بَطَلَتَا أَوْ مُرَتَّبًا انْعَقَدَتْ لِلسَّابِقِ) كَمَا فِي النِّكَاحِ عَلَى امْرَأَةٍ (وَيُعَزَّرُ الْآخَرُونَ) أَيْ الثَّانِي وَمُبَايِعُوهُ (إنْ عَلِمُوا) بَيْعَةَ السَّابِقِ لِارْتِكَابِهِمْ مُحَرَّمًا.  (أسنى المطالب في شرح روض الطالب ج 4 ص 110)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/9dn0n6> | دو یا دو سے زیادہ اماموں کےلیے امارت کا انعقاد جائز نہیں، چاہے خطے الگ الگ کیوں نہ ہوں۔ چاہے خطے دور دور کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ اس میں آراء کے بٹ جانے اور شیرازہ بکھر جانے کا اندیشہ واضح ہے۔ اگر دو امامتیں دو اشخاص کےلیے ایک ہی وقت میں منعقد کردی گئی ہوں تو وہ دونوں باطل ہوں گی۔ اور اگر آگے پیچھے منعقد ہوئیں تو جس کی پہلے ہوئی اس کی منعقد ہو جائے گی۔ جس طرح کہ (مختلف ولیوں کے ہاتھوں) عورت کے ایک سے زیادہ نکاح کا معاملہ ہوتا ہے۔ جبکہ بعد والے اور اس کی بیعت کرنے والوں کو سزا دی جائے گی بشرطیکہ ان کو پہلے والے کی بیعت کا علم ہوگیا ہو اس لیے کہ ایک حرام کے مرتکب ہوئے۔ |

ساداتِ حنابلہ﷭:

|  |  |
| --- | --- |
| ( ويتجه ) أنه ( لا يجوز تعدد الإمام ) لما قد يترتب عليه من التنافر المفضي إلى التنازع والشقاق ووقوع الاختلاف في بعض الأطراف، وهو مناف لاستقامة الحال، يؤيد هذا قولهم : " وإن تنازع في الإمامة كفؤان أقرع بينهما إذ لو جاز التعدد لما احتيج إلى القرعة.  (مطالب أولي النهى ج 6 ص 263)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/jqBi9S> | اس کی توجیہ یوں ہے کہ: متعدد امام ہونا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اس سے باہمی منافرت پیدا ہوتی ہے جوکہ باہمی نزاع اور جدائی کا باعث بننے والی ہے اور (امت کے) اطراف کے مابین اختلاف لے آنے کا موجب۔ جبکہ یہ چیز راست روی کے منافی ہے۔ اس کی تائید فقہاء کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ اگر امامت کے اہل دو اشخاص میں تنازعہ ہو جائے تو ان دونوں کے مابین قرعہ ڈالا جائے گا۔ ظاہر ہے اگر تعدد جائز ہوتا تو قرعہ کی ضرورت نہ ہوتی۔ |

ابن تیمیہ﷫ کی تقریر:

|  |  |
| --- | --- |
| والسنة أن يكون للمسلمين إمام واحد والباقون نوابه, فإذا فرض أن الأمة خرجت عن ذلك لمعصية من بعضها أو عجز من الباقين أو غير ذلك فكان لها عدة أئمة, لكان يجب على كل إمام أن يقيم الحدود, ويستوفي الحقوق..)  (مجموع فتاوى ابن تیمیۃ ج 34 ص 175، 176)  حوالہ ویب لنک: <http://goo.gl/ZZJEvW> | سنت (دستور) یہی ہے کہ جملہ مسلمانوں کا ایک امام ہو اور باقی اس کے نائب ہوں۔ ہاں اگر کسی وقت امت اس دستور سے ہٹ جائے خواہ اِس وجہ سے کہ امت کے کچھ لوگ معصیت کی راہ چل پڑے ہیں اور باقی لوگ بےبس ہوگئے ہیں یا کسی اور وجہ سے امت کے ہاں متعدد امام ہوگئے ہیں، تو یہاں ہر امام پر واحب ہوگا کہ وہ حدود قائم کرے اور حقوق کو یقینی بنائے۔ |

فقہاء کے درج بالا اقوال میں آپ دیکھتے ہیں: احکامِ ضرورت بھی ایک ساتھ ذکر ہوگئے اور احکامِ اصلی بھی۔ یہی توازن شاید آج ہمارے لوگوں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بدترین سے بدترین حالات میں بھی احکامِ اصلی پر ہی مصر رہنا ایک یوٹوپیا (غیرحقیقت پسندانہ) روش کو جنم دیتا ہے؛ جوکہ لامحالہ انتہاپسندی کی صورت دھارتا ہے۔ اِسی کو ہم ’’غلو‘‘ یا ’’افراط‘‘ کہتے ہیں۔ غیر علماء طبقہ میں یہ روش بھی اِس وقت عروج پر ہے۔ دوسری طرف احکامِ اصلی کو سرے سے گول کر جانا ’’جفا‘‘ کا راستہ ہے جسے ہم ’’تفریط‘‘ کہتے ہیں؛ اور جس پر ہمیں صاحبِ مضمون دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ امت بیچاری ان دو انتہاؤں کے بیچ کٹی پھٹی جاتی ہے۔[[1]](#footnote-1) ہر انتہاپسند طبقہ، خواہ وہ اِفراط کی راہ چل رہا ہو یا تفریط کی، اپنا ’بیانیہ‘ narrative ہی جاری کردینے پر مُصر ہے!

فاضل مضمون نگار نے خوب کیا جو یہاں فقہاء کا ذکر ضروری جانا۔ اس سے فقہاء کا موقف سامنے آنے میں بھی مدد ملی اور فقہاء کے مواقف پر خود ان کا مطلع ہونا بھی۔ ورنہ نیریٹو narrative جاری کرنے کےلیے ’’فقہاء‘‘ کی کیا ضرورت تھی!

1. آئندہ فصل میں ’’خلافت کے موضوع پر افراط اور تفریط‘‘ کے حوالہ سے کچھ گفتگو کی گئی ہے۔ [↑](#footnote-ref-1)